**Negotiations 3:2 (July-Dec. 2023) pp. 87-96** **ISSN: 2789-293X**

# بشریٰ فرخ بحیثیت نثر نگار

## "خمینی کے ایران میں" کے تناظر میں

**Bushra Farrukh as a prose writer:** In the context of "Khomeini kay Iran main"

*Dr. Syed Zubair Shah*
dr.s.zubairshah@gmail.com
Associate Professor, Govt. Superior Science College Peshawar, Pakistan

**KEYWORDS**

Representative
Imperative
Recognition
Travelogue
Admeasurements

**DATES**

| | |
|---|---|
| **Received** | **13-10-2023** |
| **Accepted** | **25-10-2023** |
| **Published** | **30-12-2023** |

**QR CODE**

**ABSTRACT**

Bushra Farrukh is an admirable representative female writer of Khyber Pakhtoon Khawa Although she owns an imperative and substantial place in poetry, yet nevertheless, the illustration that she wrote has also earned recognition and holds great significance in literary work. Moreover, her written discourse involves creative and literary articles, critic views and reviews, plays (Dramma) as well as the research and analytical papers. However, the master piece which legitimizes her name as prose writer is her travelogue of Iran, "Khumenie kay Iran Main" .This is a multi-dimensional travelogue that on one hand explores the social and cultural admeasurements of Iran and on the other hand also represents the ideological pursuance of Bushra Farrukh.

DOI:
http://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/67

**تلخیص:**

بشریٰ فرخ خیبر پختونخواہ کی ایک قابل ستائش نمائندہ خاتون مصنفہ ہیں۔ اگرچہ وہ شاعری میں ایک نمایاں اور اہم مقام کی مالک ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی تحریر کردہ تمثیل کو بھی پذیرائی ملی ہے اور ادبی کام میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مزید یہ کہ ان کی تحریری گفتگو میں تخلیقی اور ادبی مضامین، تنقیدی آرااور تبصرے، ڈرامے کے ساتھ ساتھ تحقیقی اور تجزیاتی مقالے بھی شامل ہیں۔ تاہم، نثر نگار

کے طور پر ان کے نام کو پہچان دینے والا شہکار ان کا ایران کا سفر نامہ ہے، "خمینی کے ایران میں"۔ یہ ایک کثیر جہتی سفر نامہ ہے جو ایک طرف ایران کے سماجی اور ثقافتی معیارات کو تلاش کرتا ہے اور دوسری طرف بشریٰ فرخ کی نظریاتی نمائندگی کرتا ہے۔

ادب کے عملِ تخلیق میں مرد وزن کی تخصیص ایک غیر ادبی ذہنیت ہی نہیں بلکہ غیر معتدل رویے کی غمازی بھی کرتی ہے، مگر بد قسمتی سے بیشتر ادوار میں ہمیں نہ صرف اس رویے کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو اسے شعوری طور پر روا رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب میں بالعموم اور ادبیات خیبر پختونخوا میں بالخصوص ادبی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو خواتین لکھاریوں کا تناسب مرد لکھاریوں کی نسبت بہت کم نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ اس فہرست میں صنفِ نازک کے لیے کوئی خالی جگہ نہیں یا وہ تخلیقِ ادب کی صلاحیتوں سے کُلی طور پر بے بہرہ ہوتی ہیں، بلکہ اس کی بڑی وجہ ہمارا سماجی اور معاشرتی ڈھانچہ ہے جس میں عورت کو گھریلو زندگی سے باہر بھرپور اور فعال کردار ادا کرنے کے مواقع دستیاب نہیں ہوتے بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"ہمارے قدامت پسند مشرقی معاشرے کی روایات میں عورتوں کے لیے ادب اور بالخصوص افسانوی ادب کو اول تو کلیتاً ناپسند کرنا ورنہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھنا لازم ہے۔"(1)

دراصل ہمارا معاشرہ ایسے تضادات کا شکار ہے کہ جن جذبات کا اظہار ہم مرد سے سن کر واہ واہ کرنے لگتے ہیں وہی جذبات اگر ادبی اور تخلیقی پیرائے میں کسی خاتون کے قلم سے ادا ہوں تو ہماری غیرتِ حمیت جاگ اٹھتی ہے، ورنہ یہ تو مشاہدے کی بات ہے کہ دنیائے ادب میں جہاں اور جس معاشرے میں بھی عورت کو اظہارِ خیال اور اظہارِ ذات کا موقع ملا ہے اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اُن تمام سرگرمیوں کو بہ طریق احسن نبھانے کی اہل ہیں جو عام طور پر مردوں کے لیے مخصوص سمجھی جاتی ہیں۔

اگرچہ خیبر پختونخوا میں سنجیدہ اور قابلِ ذکر خواتین لکھاریوں کو انگلیوں کی پوروں پر گنا جا سکتا ہے مگر باعثِ اطمینان بات یہ ہے کہ یہ خانہ مکمل طور پر خالی نہیں ہے۔ دورِ حاضر کے ادبی منظر نامے پر نظر ڈالنے سے جو شخصیت سب سے متحرک اور نمایاں نظر آتی ہے وہ بشریٰ فرخ کی ہے، وہ بہ یک وقت نظم و نثر میں طبع آزمائی کے ساتھ ساتھ انتظامی اُمور میں بھی گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ادبی دنیا میں ان کی کثیر الجہت اور کثیر الاشغال شخصیت اس رائے کو سند فراہم کرتی ہے کہ وہ خیبر پختونخوا کی موجودہ خواتین لکھاریوں کی سرخیل ہیں۔ یوں تو ان کی شاعری ہی اس رائے پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ انھوں نے بہت کم وقت میں جس رفتار سے بلندیوں کی منزلیں طے کی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ شاعری ایک طرح سے ان کا کُل وقتی مشغلہ ہے جس نے بحیثیت شاعرہ ان کے مقام اور مرتبے کا تعین کر لیا ہے، ان کا شاعرانہ اسلوب ہو یا شعری مضامین دونوں میں ایک خاص طرح کی ندرت اور جدت موجود ہے۔ طارق ہاشمی کے خیال میں:

"اُس کے اسلوبِ اظہار میں دل کی بستی سے وابستگی اور اس کے مکینوں سے جذباتی تعلق اور وارفتگی نمایاں ہے۔ اُس کے رت جگے، دربدری، ہجرت، ملول ساعتیں، تنہائیاں، خاموشیاں اور آنکھوں سے گفت وشنید ایسے رویے اسی وابستگی اور وارفتگی کی مختلف صورتیں ہیں۔"(2)

گویا ایک بڑا تخلیق کار جن تجربات، مشاہدات اور احساسات سے گزر کر خونِ جگر سے اپنے فن کی نمود کرتا ہے، وہ تمام مثبت عناصر بشریٰ فرخ کی شاعری میں موجود ہیں۔ تاہم اگر ان کو محض ایک شاعرہ کے فریم میں بند کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ نہ صرف ان کے ساتھ بلکہ اردو ادب کے ساتھ بھی صریح ناانصافی ہو گی۔ یہ بات درست ہے کہ انھوں نے نثر کی طرف وہ دھیان نہیں دیا جس کی وہ متقاضی تھی لیکن اس کے باوجود ان کی نوکِ قلم سے جس نثر پارے نے جنم لیا ہے وہ اپنی جگہ ایک مکمل ادبی حیثیت کی حامل بن کر سامنے آیا ہے۔ یہ نثری تحاریر ناول، افسانوں یا انشائیوں پر مشتمل نہیں بلکہ ان کے مجموعہ ہائے کلام میں بطور پیش لفظ لکھے گئے وہ مضامین ہیں جن کو ہم ذاتی تاثرات کا نام دے سکتے ہیں، اس کے علاوہ دو مواقع پر لکھے گئے تحقیقی مقالے، جن میں خواتین کے ادب اور ان کے متحرک کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے، بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے ایک مقالہ "آزاد جمہوری اور اسلامی حکومت کی تشکیل میں مسلمان خواتین کے مفید اور موثر کردار کا جائزہ" کے عنوان سے اسلامی جمہوریہ ایران میں منعقد ہونے والے ایک سیمینار کے لیے، جب کہ دوسرا مقالہ، بعنوان "خیبر پختونخوا کی خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں میں عورتوں کے مسائل کی عکاسی" شاہ عبداللطیف بھٹائی یونیورسٹی خیر پور میں منعقدہ ایک سیمینار کے لیے لکھا گیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے کئی کتابوں پر تبصروں کے علاوہ پی ٹی وی کے لیے دو ہندکو ڈرامے جب کہ پرائیویٹ پروڈکشن کے لیے ایک اردو ڈرامہ " اور ہم وفا کرتے رہے" کے نام سے تحریر کیا ہے، یوں ہم کہ سکتے ہیں کہ انھوں نے نثری میدان میں بھی ایسا کام کیا ہے جس کی ادبیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں ان کے شعری مجموعے، 'ادھوری محبت کا پورا سفر' میں ان کے تاثرات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی تحریر میں بلا کی روانی اور شعریت موجود ہے۔ یہ محض ایک شعری مجموعے کا دیباچہ نہیں بلکہ ان کی حیات کا وہ افسانہ ہے جس کی بنیاد ایک تلخ حقیقت پر رکھی گئی ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ، ایک ایک جملے سے وہ احساس ٹپکتا ہے جس سے بشریٰ فرخ دوچار رہیں، اپنے ہمسفر کو کھونے کے بعد ان کے بھلانے کی کوشش میں زخم کس قدر گہرے ہو جاتے ہیں، اس کا علم اس تحریر کے مطالعے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"ادی کے بعد محبت کو فرض سمجھ کر نبھایا۔ کبھی اس لفظ کی گہرائی تک پہنچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور سمجھا کہ حق ادا کر دیا۔ لیکن یہ بات تو اب کہیں جا کر سمجھ میں آئی ہے کہ حقیقتاً محبت کیا ہے؟ ایک ایسی عبادت جو آپ زندگی کی آخری سانسوں تک بھی کرتے رہیں تو اس کا حق ادا نہیں ہو پاتا۔ یہ محبت بھی کتنی خوش فہم ہوتی ہے۔ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے لیکن یہ اس سے نظریں چرا کر اپنے من چاہے خوابوں کے ساتھ جینا پسند کرتی ہے۔ میں جانتی ہوں اس نے واپس نہیں آنا لیکن اب بھی ہر سال اس کے لیے عید کارڈ نئے سال کا کارڈ، ویلنٹائن کارڈ، اس کا پسندیدہ پرفیوم اور نہ جانے

> کیا کیا خرید کر اپنے بیڈ روم کی الماری کے اس خانے میں رکھتی ہوں جہاں وہ رہتا ہے۔ جب وہ مجھے ملا تھا تو اُس وقت اسے پانے کی کوئی خواہش، کوئی تمنا، کوئی آرزو نہیں تھی۔ اس لیے اس کی اہمیت کا اندازہ بھی کبھی نہیں ہوا تھا۔ جب وہ بچھڑا تب ہوش آیا کہ وہ تو سرطان بن کر روح میں ایسا اترا ہے کہ جہاں سے جڑیں کاٹتی ہوں وہ اور پھیلتا جاتا ہے۔"(3)

یہ وہ درد ہے جس نے بشریٰ فرخ کو شاعری کے راستے پر ڈال دیا تاکہ وہ اس مستقل غمِ حیات کا کچھ مداوا کر سکے۔ اس جستجو میں ان کے غمِ ذات کا دائرہ پھیلتا رہا یہاں تک وہ اس مقام پر پہنچی کہ سارے جہاں کا درد ان کے جگر میں سما گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں اجتماعی احساس کے حوالے وقت کے ساتھ ساتھ معتبر صورت اختیار کرتے رہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ زندگی کی ہر زہر آلود تلخی سے وہ امرت کشید کرتی رہی۔ اسی مثبت سوچ نے ان کے سفر کو نہ صرف آسان بنایا بلکہ وہ مسلسل کامیابیوں کے زینے چڑھتی رہیں۔ چھے کتابوں کے بعد ان کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ ایک مکمل شعری مجموعہ "ورفعنا لک ذکرک" کے نام سے بھی سامنے لے آئیں جو یقیناً اردو کے شعری ادب میں ایک گراں قدر کارنامہ ہے۔ اس مجموعے کے پیش لفظ میں ان کی جو نثر سامنے آئی ہے اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان کی نثر میں بھی ان کی شاعری کی طرح بڑی جان ہے۔ اپنے عشقِ رسول کے حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

> "میں عاشقِ رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی کیونکہ عاشقِ رسول کا رتبہ بہت بلند ہوتا ہے اور عشق کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں، کچھ قواعد و ضوابط ہوتے ہیں۔ اس کے لیے اپنے آپ کو مٹی میں ملانا پڑتا ہے، محبوب کے رنگ میں رنگنا پڑتا ہے اور اگر عشق کا حق ادا نہ کیا جا سکے تو یہ دعویٰ بے معنی ہے۔"(4)

اسی انکساری کے سبب وہ خود کو آقائے دوجہاں کی کنیز کہتی ہیں۔ جس کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا گیا ہے۔ دراصل بشریٰ فرخ قلم کی حرمت اور جذبے کی سچائی پر پورا یقین رکھتی ہیں۔ ان کے نزدیک ایک تخلیق کار کی اصل سچائی یہی ہے کہ وہ جذبوں کہ گہرائی میں اتر کر معنی و مفہوم کے موتی ڈھونڈ کر لائے۔ کیونکہ اس کے کندھوں پر ایک بڑی سماجی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی یونیورسٹی میں جو مقالہ پڑھا اس میں بڑے واضح الفاظ میں یہ لکھا ہے:

> "قلم کی حرمت کا احساس تب ہی ممکن ہوتا ہے جب ایک قلم کار اپنے ضمیر کی آواز سنتا ہو اور اپنے جذبوں کی سچائی کو اپنا رہبر بنائے اور بحیثیت ایک قلم کار معاشرے کے لوگوں کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرے۔"(5)

گویا ان کے نزدیک تخلیق محض بندشِ الفاظ جڑنے یا مرصع سازی کا نام نہیں بلکہ یہ اپنی ذات میں ایک مقصد اور مشن ہے، جس کو مدِ نظر رکھنا لکھاری کے لیے از حد ضروری ہے۔ ان کی ایک اور نثری کاوش سفر نامے کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ یہ سفر نامۂ ایران جہاں ایک طرف ان کی شخصیت کے ایک نئے ادبی پہلو کو اجاگر کرتا ہے وہاں دوسری طرف ان کا متحرک کردار اس بات پر دلالت بھی کرتا ہے کہ ان کے اندر رہبری اور رہنمائی کی خداداد صلاحیتیں موجود ہیں۔ وہ بنیادی طور پر چیلنجز کو قبول کرنے

والی شخصیت ہیں۔ ان کے اب تک کا کام اور کاوشیں یہی بتاتی ہیں کہ تحرک اور سعی پیہم کا مادہ ان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور سب سے مثبت پہلو یہ ہے کہ ان کو اپنی ذات اور قلم دونوں پر بھروسا ہے۔ سفر نامۂ ایران میں وہ اپنے بارے میں لکھتی ہیں:

"میری بُری عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ پہلے تو میں کوئی کام سر نہیں لیتی اور اگر سر پر پڑ جائے تو پھر جب تک اُسے پورا نہیں کر لیتی مجھ پر سکون حرام ہوتا ہے"(6)

ایران میں ہونے والے سیمینار کے لیے انھوں نے جن حالات اور جتنے وقت میں مقالہ مکمل کیا اس سے انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ سچائی، محبت، خلوص اور لگن سے راستے ہموار ہو جایا کرتے ہیں اور منزلیں مسافر کی طرف خود بڑھنے لگتی ہیں۔ "خمینی کے ایران میں" بشریٰ فرخ کا ایسا سفر نامہ ہے جو کئی حوالوں سے اپنی خاص انفرادیت اور ندرت رکھتا ہے۔ اردو میں ایران سے متعلق سفر ناموں کا مطالعہ کر کے یہ بات عمومی طور پر محسوس کی جا سکتی ہے کہ سفر نامہ نگار کے پیشِ نظر کچھ مخصوص مقامات یا تہذیب و ثقافت کے مشترکہ یا متضاد عناصر کو اجاگر کرنا رہا ہے۔ یہ کوئی خامی نہیں جس پر اعتراض کیا جائے اس لیے کہ ہر سفر نامہ کم و بیش انہی عناصر سے ترتیب پاتا ہے۔ مگر بشریٰ فرخ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اس روایتی انداز سے اپنا دامن بہت حد تک بچائے رکھا اور کمال مہارت اور انتہائی دلیری کے ساتھ مذہبی نظریات، عقائد اور سیاسی بصیرتوں کو واضح اور دو ٹوک الفاظ میں اجاگر کیا ہے۔ بظاہر یہ کوئی غیر معمولی خوبی نظر نہیں آتی لیکن ہمارے ہاں مسالک کی بنیاد پر نفرت کی جو آگ لگائی جاتی ہے اس میں کُود کر بھی ٹھنڈک کے احساس کو سامنے لانا کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ بشریٰ فرخ بھی اس آگ میں نہ صرف کُودی بلکہ ہر قسم کی جانب داری سے بالاتر ہو کر ایک معتدل رویے کے ساتھ باہمی یگانگت کا نعرہ بلند کیا۔ ان کے خیال میں ہماری بربادی کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم دور ہی سے ایک دوسرے کے بارے میں رائے قائم کر لیتے ہیں اور قریب جا کر اصل حقائق کا ادراک حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ مذکورہ سفر نامے میں فرقوں کے مابین ان غلط فہمیوں اور نفرت پر اظہارِ تاسف اور احساسِ زیاں کا رویہ بہت نمایاں نظر آتا ہے جس کے باعث معمولی نظریاتی تضادات اور اختلافات بڑھ کر خونی عناد کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔ اس سفر نامے کا پیش لفظ پڑھ کر ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب کے حوالے سے مصنفہ کا نظریہ اس پر بہت واضح ہے اور وہ کسی قسم کے ابہام کا شکار نہیں، البتہ ایک ہی مذہب کا مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے پر وہ جگہ جگہ افسوس کا اظہار ضرور کرتی ہیں:

"وہ مسلمان کہاں ہیں جو دو جہانوں کے بادشاہ کی قیادت میں متحد و متفق تھے۔ یہ تفرقے یہ عداوتیں یہ نفرتیں ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے بھائی کے لیے کہاں سے آ گئیں۔ وہ مذہب جو غیر مسلموں سے بھی محبت اور مساوات کا درس دیتا ہے اُس مذہب کے پیروکاروں کے دل ایک دوسرے سے اتنے دور کیوں ہو گئے۔ ہم مسلمان دشمنوں کے ہاتھوں بے وقوف کیوں بن رہے ہیں جو ہمیں فرقہ پرستی کی بھینٹ چڑھا کر، تعصب کی بھینٹ چڑھا کر ہماری قوت کو پاش پاش کر رہے ہیں۔"(7)

قوتِ ملت کے پارہ پارہ ہونے کا یہ درد اس سفر نامے میں جگہ جگہ احساسِ زیاں کو ابھارتا ہے۔ ایرانی سفر کی اس روداد میں بشریٰ فرخ کے دل میں موجزن جذبۂ حب الوطنی کا اظہار بھی نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ وہ جب بھی ملک سے باہر کوئی اچھی چیز دیکھتی ہیں تو ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ میرے وطن اور ہم وطنوں کو بھی ملے۔ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ایسے مواقع پر انفرادی خواہش ان کو مغلوب نہیں رکھتی بلکہ وہ اجتماعی حوالے سے سوچتی ہیں۔ چونکہ وہ انسانیت کے لیے دردِ دل رکھنے والی ادیبہ ہیں اس لیے "خواتین اور اسلامی بیداری" کے حوالے سے ہونے والی اس ایرانی کانفرنس کی کامیابی کے لیے وہ ہر وقت دعا گو رہتی ہیں کیونکہ ان کو اس کی اہمیت اور اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے بھلے ہی یہ کانفرنس ایران نے منعقد کی تھی لیکن اس میں شرکت ان کے لیے محض سفر کا ایک وسیلہ نہ تھی بلکہ اس کی خصوصی اہمیت کو پیشِ نظر رکھ کر وہ ایک بڑا مقصد لے کر گئی تھیں۔

خواتین اور پردے کے حوالے سے ایران کا معتدل رویہ سامنے لا کر انھوں نے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ سکارف اور پردہ عورتوں کی ترقی اور کام میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ سفر نامہ پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اس سفر کے دوران ان کی سوچ اور فکر مسلسل متحرک رہتی ہے۔ وہ کبھی ماضی کے جھروکوں میں جھانکتی ہیں تو کبھی مستقبل کا احاطہ کرتی ہیں۔ ایسے مقامات پر ان کی تحریر میں ناصحانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ تاہم ان کی مضبوط قوتِ ارادی ہر مقام پر ان کو حقیقت پسندانہ اظہار پر اُکساتی رہتی ہے۔ اس حقیقت پسندانہ اظہار کے پیچھے ان کا اپنے اوپر اعتماد ہی کارفرما دکھائی دیتا ہے جس کے تحت وہ غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے اختصار اور انتہائی جامع الفاظ میں اپنا مدعا بیان کرتی ہیں۔ سفر نامے میں وہ مختلف مقامات پر اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر نہ صرف ملت اسلامیہ کو ایک وحدت میں ڈھلنے کا راستہ بتاتی ہیں بلکہ اس کے ثمرات سے بھی آگاہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں:

> "ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام فرقوں کے علمائے کرام مل کر بیٹھیں۔ چھوٹے بڑے تمام مسائل کا حل نکالیں۔ تمام فرقے افہام و تفہیم سے کام لے لیں اور ایک متحدہ لائحہ عمل پر کام کریں تاکہ تمام مسلمان متحد ہو کر فلسطین، کشمیر، مصر، لیبیا، تیونس، برما اور دوسرے مسلمان ممالک کے مظلوم عوام پر ہونے والے ظلم کا بدلہ لے سکیں۔"(8)

بظاہر یہ عام اور چھوٹی چھوٹی باتیں نہ صرف اپنی حالتِ زار کی طرف متوجہ کرتی ہیں بلکہ عالمِ اسلام کی زبوں حالی کا نوحہ سنا کر اس حقیقت کی طرف مائل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں کہ ہمارے زوال کا اصل سبب ہماری نااتفاقی ہے۔ ابتدا میں اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ بشریٰ فرخ کے اندر قائدانہ صلاحیتیں خداداد ہیں، اس لیے وہ اس ہنر سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ بات کو خوش اسلوبی سے ختم کر کے دوسروں کے دل تک کیسے پہنچانا ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ یہ انداز مثبت سوچ کے بغیر ممکن نہیں۔ مذکورہ سفر نامے کی ایک اور اہم بات، (جسے ہم روایتی بھی کہہ سکتے ہیں) یہ ہے کہ بشریٰ فرخ نہ صرف ایران کے تاریخی مقامات اور تاریخی واقعات بیان کرتی ہیں بلکہ وہ مختلف مقامات کی وجۂ تسمیہ کے بارے میں بھی اہم معلومات فراہم کر کے قاری کے لیے دلچسپی کا

سامان پیدا کرتی ہیں۔ ایران کے دیگر سفر ناموں میں بھی جگہوں کے نام اور مقامات کی تفصیلات پڑھنے کو ملتی ہیں لیکن یہاں بیان میں ایک ایسی عجیب اپنائیت اور بے تکلفی کا رنگ شامل کیا گیا ہے جس کے باعث ہر چیز میں ایک نئی تازگی کا احساس ابھرتا ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جو اس سفر نامے کو ایک ندرت عطا کرتی ہے۔ اس حوالے سے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ سفر نامہ محض قابلِ قدر معلومات یا تفریحی سفر کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ سفر نامہ نگار نے وہاں سے علم و فکر کے خزانے سمیٹ کر اپنے ملک منتقل کر دیے ہیں۔ اس سفر نامے کے حوالے سے آغا موسوی رقم طراز ہیں:

> "سفر نامہ 'خمینی کے ایران میں' ایک مکمل معلوماتی کتاب ہے جس میں انھوں نے تہران میں خواتین اور اسلامی بیداری کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں شرکت اور ایران میں گزرے ہوئے دنوں کی مصروفیت کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ایران میں ہر شعبۂ زندگی میں خواتین کی شمولیت کا بھی ذکر کیا ہے اور سیاسی و سماجی شعبے میں خواتین کے علمی کردار کو بھی سراہا ہے۔"(9)

"خمینی کے ایران میں" کا اور ایک اہم پہلو اس کا تقابلی جائزہ بھی ہے۔ "خواتین اور اسلامی بیداری" کے حوالے سے اس کانفرنس میں شرکت کے بعد جہاں وہ تقریب کے چیدہ چیدہ نکات روداد کی صورت میں سامنے لاتی ہیں وہاں پاکستان اور ایران کا سماجی، اقتصادی اور تعلیمی تقابلی جائزہ کے ذریعے کئی اہم اور غور طلب باتیں سامنے لانے کی کوشش بھی کی ہے۔ بقول ڈاکٹر بسمینہ سراج:

> "بشریٰ فرخ نے اس سفر نامے میں جگہ جگہ ایرانی تہذیب و ثقافت کا اپنے ملک سے موازنہ کیا ہے۔ اس موازنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ کون کون سی باتیں ہیں جن میں ایرانی قوم ہم سے آگے ہے اوہ ایسی کون سی اچھی باتیں اور اقدار ہیں جو ایران میں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے آج ایران مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے اور مغرب کی دھمکیوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔"(10)

کئی مواقع پر وہ مغربی معاشرت اور طرزِ حکمرانی پر طنز کر کے ایک بالغ قلم کار کی طرح اشاروں کنایوں میں بہت کچھ کہ جاتی ہیں۔ مگر یہ اشاراتی انداز کہیں بھی ابلاغ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ چونکہ بشریٰ فرخ بنیادی طور پر شاعرہ ہیں لہٰذا اس ادبی سلیقۂ اظہار کو ہم ان کا شاعرانہ اندازِ بیاں بھی کہہ سکتے ہیں جس سے ان کی اس نثری تحریر کے بیشتر حصے ادبیت کی چاشنی سے لبریز ہو گئے ہیں۔ تاہم ملکی و بین الاقوامی حالاتِ حاضرہ کا ادراک و احساس رکھنے کی وجہ سے کچھ تلخ حقائق کا ذکر کرنے سے ایک زہریلی کڑواہٹ بھی ان کی تحریر میں در آئی ہے۔ ان کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ مشرقی ممالک میں تمام مسائل کا حل یہی ہے کہ استعماریت کا جادو سروں سے اتار کر خوابِ غفلت سے نجات حاصل کیا جائے۔ مگر شومئ قسمت کہ اس نقطے پر تمام اہلِ دانش متفق تو ہیں مگر سیاسی بازی گری اتنی ناقابلِ فہم اور پیچیدہ ہے کہ کئی سوال ہمیشہ سے تشنہ اور جواب طلب رہ ہی جاتے ہیں۔ مسلم حکمرانوں کو معلوم ہے کہ " غاصب قوتیں یہ چاہتی ہیں کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں اور وہ ہمارے وسائل پر قابض رہیں" [(11)]۔ وہ ان خدشات کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں مگر سربراہانِ مملکت کے منہ سے ایسے جملوں کی ادائیگی، اظہارِ تاسف تک ہی محدود ہیں کیونکہ

ان باتوں پر وہ خود عمل کرتے ہیں نہ ان حالات سے نکلنے کی کوئی ٹھوس تدبیر کرتے ہیں۔بس عوام کے سامنے رونا رویا جاتا ہے ۔حالانکہ ان حالات کو تبدیل کرنے میں عوام سے زیادہ کردار وہ لوگ خود ادا کرنے کے پابند ہیں۔ اس ضمن میں سفر نامہ نگار نے صرف حال کی تلخیوں کو سامنے نہیں رکھا بلکہ ماضی کے ایسے مناظر بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے جن کی متحرک تصویریں انسانی وحشت وبربریت کا پردہ چاک کرتی ہیں۔

اس سفر نامے میں تکنیک اور اسلوب کے حوالے سے بھی ایک خاص قسم کی ندرت پیدا کی گئی ہے۔اس میں معلومات فراہم کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے نوٹ لکھ کر ایک ایسی انفرادیت کے لیے راستہ ہموار کیا گیا ہے جس کے باعث سفر نامہ نہ صرف بے جا طوالت سے بچ گیا ہے بلکہ غیر ضروری تفصیلات نہ ہونے کے باعث قاری اکتاہٹ کا شکار بھی نہیں ہوتا۔ دیکھا جائے تو تمہید سے لے کر آخر تک یہ چھوٹے چھوٹے حصے قاری کے لیے بہت سہولت پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔اس قسم کے نوٹ میں بعض سبق آموز تجربات اور لائق تقلید عمل کے حوالے سے بنیادی باتیں دل چسپی سے خالی نہیں۔اسی طرح مختلف مقامات پر مکالمے کو بیانیہ انداز میں تحریر کیا گیا ہے جس سے متن میں کسی جوڑ یا بے جا پیوند کا احساس نہیں ابھرتا تاہم اسے بہ یک وقت سفر نامے کی خوبی بھی کہا جاسکتا ہے اور خامی بھی سمجھی جاسکتی ہے۔جہاں تک اس کے زبان وبیان کا تعلق ہے تو بشریٰ فرخ جیسی منجھی ہوئی ادیبہ کی تحریر پر اس ضمن میں کوئی بات کرنا مجھ جیسے نو وارِدِ ادب کے لیے مشکل بھی ہے اور شاید بہت حد تک نامناسب بھی، مگر چند دلچسپ باتوں کا تذکرہ ضروری سمجھنے کی وجہ سے ان کو زیرِ قلم لانے کی کوشش کا ایک جواز بہر حال موجود نظر آتا ہے۔

بشریٰ فرخ نے جہاں ضروری سمجھا پشتو زبان کے الفاظ اور جملوں کا استعمال کیا ہے مگر اس سے بھی قابلِ توجہ پہلو ماضی اور حال کے ان نعروں اور تراکیب سے اپنے قاری کو متعارف کرانا ہے جو اب ایرانی تہذیب میں ایک روایت کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ مثلاً

> "سارا ایران نہفتِ ما حسینی اور رہبر ما خمینی کے نعروں سے گونجنے لگا۔۔۔درود بر خمینی ،مرگ بر شاہ۔"(12)
>
> " رضا شاہ پہلوی کو شاہِ خائن اور امریکہ کو شیطانِ بزرگ(بڑا شیطان) کے نام سے یاد کیا جانے لگا"۔(13)
>
> "لاشرقیہ لاغربیہ۔ثورہ ثورہ اسلامیہ اور لاسنیہ لاشیعیہ اسلامیہ اسلامیہ "(14)

اسی طرح ''سالن خالص(مین ہال)''، ''بانواں(خواتین کے لیے مخصوص راستہ)''، ''آقایان(مرد حضرات کا راستہ)''، وغیرہ جیسے بہت سے اہم حوالے اس سفر نامے کا حصہ ہیں۔ جس سے قاری قدم قدم پر محظوظ ہوتا ہے۔

غرض بشریٰ فرخ نے اپنے فطری تجسس کے زیرِ اثر مذکورہ سفر نامے میں ہر اہم نقطہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ وہ اپنے ذہن سے ہر قسم کا تاریک پردہ ہٹانا چاہتی ہیں۔ مذہب ومسلک کی بنیاد پر نفرت کرنے والوں کے دلوں سے کدورتوں کی شدت

کم کرنے میں ان کا یہ رویہ عصرِ حاضر کی بنیادی ضرورت بھی ہے اور یہ مستقبل میں بھی بالواسطہ اور بلا واسطہ طور پر کار گر ثابت ہو گا۔ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ محض بیان کردہ واقعات کو دہرانے پر مطمئن نہیں ہوتیں بلکہ دیکھا جائے تو وہ ہر منظر، ہر سطر اور ہر لفظ میں نہ صرف خود موجود ہیں بلکہ قاری کو بھی اپنے قریب رکھا ہے تاکہ اس کی بات جب دل سے نکلے تو سیدھا دوسرے کے دل میں اتر کر اپنا اثر دکھائے۔ ''خمینی کے ایران میں'' پڑھ کر یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مثبت پلیٹ فارم پر ہمیشہ مثبت سوچ ہی جنم لیتی ہے، جو ملک و قوم کی ترقی کے لیے بہترین اور مثبت نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔اس ضمن میں نادیہ حسین کی اس رائے سے اتفاق کرنا پڑے گا:

> ''ان تمام حوالوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس سفر نامے کا مقصد عالمِ اسلام میں مسلمانوں کو ایک دفعہ پھر یکجا ہونے کی ضرورت کی طرف متوجہ کروانا ہے۔(15)

مذکورہ سفر نامے کا دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ بشریٰ فرخ نے اس کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام خواتین کی ترقی کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالتا۔اگر عورت کو ایک انسان کی حیثیت سے ٹریٹ کیا جائے تو یہ رویے بہت ثمر آور ہو سکتے ہیں۔

## حوالہ جات


1. سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور لاشعور (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2008ء)، 77۔
2. طارق ہاشمی، شعریاتِ خیبر: عصری تناظر (فیصل آباد: روہی بکس، 2016ء)، 96۔
3. بشریٰ فرخ، ادھوری محبت کا پورا سفر (پشاور: ایڈورٹائزنگ پرموشنل سروسز، 2005ء)، 17، 18۔
4. بشریٰ فرخ، ورفعنالکَ ذِکرَک (پشاور، این زیڈ، 2016ء)، 25۔
5. بشریٰ فرخ، خیبر پختونخوا کی خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں میں عورت کا تصور، مشمولہ: ادب، معاشرہ اور تعمیرِ نو، مرتبین: ڈاکٹر یوسف خشک / ڈاکٹر صوفیہ یوسف (خیر پور: شاہ عبداللطیف بھٹائی یونیورسٹی، 2015ء)، 323۔
6. بشریٰ فرخ، خمینی کے ایران میں (پشاور: سکائی ویژن، س۔ن)، 11۔
7. ایضاً، 37۔
8. ایضاً، 161۔
9. آغا موسوی (پشاور، روزنامہ آئین، 13 جنوری، 2014ء)
10. ڈاکٹر بسمینہ سراج، خمینی کے ایران میں' کا تنقیدی جائزہ'، مشمولہ: آرٹس اینڈ لیٹرز شمارہ۔16 (پشاور: اسلامیہ کالج یونیورسٹی، 2016ء)، 577۔
11. بشریٰ فرخ، خمینی کے ایران میں، 120۔

12. ایضاً،64۔

13. ایضاً،69۔

14. ایضاً،88۔

15. نادیہ حسین، بشریٰ فرخ۔ شخصیت اور فن، مقالہ ایم فل اردو (غیر مطبوعہ) (پشاور، قرطبہ یونیورسٹی، 2017ء)، 287، 288۔

## References in Roman Script

1. Saleem Akhtar, Adab aur Lashaur (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008), 77.
2. Tariq Hashmi, Sheryat-e-Khabar- Asari Tanazar (Faisalabad: Rohi Books, 2016), 96.
3. Bushra Barukh, Adhori Mahbat ka Pura safar (Peshawar: Advertising Proposal Services, 2005), 17,18.
4. Bushra Farukh, Warfaa Laka Zikraka (Peshawar: N.Z, 2016), 25.
5. Bushra Farukh, Khaiber, Pakhtoonkha ki Khawateen Afsan nigaroon k afsanoon main aurat ka taswar, Mashmoola: Adab, Moashra aur Taameer-e-Nau: Murtbeen: Dr Yousaf Khusk/Dr Sofia (Khair Pur: Shah Abdul Lateef Bhatai University, 2015), 323.
6. Bushra Farukh, Khamini k Iran mai (Peshawar: Sky Vision, s.n), 11.
7. Ibid, 37.
8. Ibid, 161.
9. Aagha Mosoomi (Peshawar: Daily Aain, 13 January, 2014)
10. Bismima Siraj, Dr, Khamini k Iran main ka Tanqidi Jazah, Mashmoola: Arts and Letters, Issue 16 (Peshawar: Islamia College University, 2016), 577.
11. Bushra Farukh, Kamini k Iran Main, 120.
12. Ibid, 64.
13. Ibid, 69.
14. Ibid, 88.
15. Nadia Hussain, Bushra Farukh: Shakhsiat-o-Fun, M. Phil Thesis (Unpublished) (Peshawar: Qurtaba University, 2017), 287-288.